

## سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔۔۔ مکی زندگی (حصہ اول)

اسلام سے قبل عربوں کے حالات

عرب کو عرب کیوں کہا جاتا ہے؟

اہل لغت کے ہاں عرب کا ایک معنی فصاحت ہے چونکہ عرب کے باشندے فصاحت دبلاعنت میں دوسرے لوگوں سے ممتاز تھے اس لیے وہ اپنے آپ کو عرب کہا کرتے تھے۔ جبکہ بعض اہل لغت کی رائے یہ ہے کہ لفظ عرب کامانڈ ”عرب“ ہے جو ریگستان اور صحرائے لیے مستعمل ہے اور عرب کا اکثر حصہ پتے ریگستانوں پر مشتمل ہے اس لیے اس علاقے کو عرب کی مناسبت سے عرب کہا جانے لگا۔

**اسلام سے پہلے عربوں کی مذہبی حالت کا مختصر جائزہ:**

عرب میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید الہی کا نفرہ لگایا، اور خدائے واحد کی پرستش کے لیے مکہ میں اللہ کا سب سے پہلا گھر بنایا تھا، لیکن رفتہ رفتہ لوگوں کے دلوں سے صدائے توحید کا اثر زائل ہو گیا اور نہ صرف عرب بلکہ سارے عالم میں خالص اللہ کا نام لینے والا کوئی باقی نہ رہا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد بڑے بڑے اولو العزم پیغمبر مبعوث ہوئے، بڑے بڑے مصلحین نے اخلاق کی صدائیں بلند کیں، ان کا وقتی اثر بھی ہوا، لیکن زود فراموش انسان نے توحید و اخلاق کے یہ سبق بہت جلد فراموش کر دیے اور پانچویں صدی عیسوی کے آخر میں نوبت یہاں تک پہنچی کہ زمین کے کسی حصے میں کوئی حقیقی خدا شناس قوم باتی نہ رہی، جن قوموں میں نور الہی کی کوئی کرن تھی بھی تو اس پر جہالت کے اتنے دیز پر دے پڑ گئے تھے کہ اس کی اصلی صورت نہ پہچانی جاتی تھی۔

ایران، روم اور ہندوستان سمیت تمام روحاںی مرکزوں کی مذہبی حرارت سرد ہو چکی تھی، ایرانی قوم توحید خالص سے کبھی آشنا ہی نہ ہوئی، زرتشت اور مانی نے جو اخلاقی اقدار قائم کی

تحتی وہ زمان اور اہر میں کا گور کہ دھندا بن گئی تھی، ان کی کتاب اخلاق میں باپ بیٹی اور بھائی بہن کی کوئی تمیز نہ تھی۔ حکومت البتہ ان میں تھی، لیکن حکمرانوں کو راہب کا درجہ حاصل تھا، رعایا ان کی پرستش کرتی تھی، ملک کے لیے کوئی اخلاقی قانون نہ تھا، فللم و جور کی حکومت تھی، طاقت ور کے مقابلہ میں ناتوانوں کی ہستی نہ تھی، اونی اعلیٰ کا غلام تھا، آئے دن کے سیاسی

انقلابات نے ملک کو امن و امان سے محروم کر دیا تھا۔

روم و فارس کی حالت جو دین و دنیا اور مذہب و حکومت دونوں کے تاجدار تھے، ایساں سے بھی کچھ زیادہ خراب تھی، سیاحت مدتوں پہلے پال کے ہاتھوں مسخ ہو چکی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، مریم علیہا السلام اور روح القدس کی شخصیت اور مرتبے کی تعین نے بیسوں فرقے پیدا کر دیے تھے، جن میں ہمیشہ کشت و خون پا اور پاک روحانیت کا دامن ان کے خون سے رنگیں رہتا تھا، توحید کی جگہ سٹیٹ اور مشرکانہ رسوم نے لے لی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام کے بتوں کی پرستش ہوتی تھی۔ دین کی باغ کمراہ اور دنیا پرست پادریوں کے ہاتھوں میں آگئی تھی۔ ہر پادری ایک با اختیار خدا اور مسجد خلق تھا اور اس کی قبر کو عبادت خانہ تصور کیا جاتا تھا۔ ان کی جنبشِ لب پر نظام حکومت الٹ پلٹ جاتا تھا۔ حکومت اور کلیسا کی کشمکش عیسائیت کی نہایت پرانی تاریخ ہے۔ مذہبی اجراء داری نے پادریوں میں طرح طرح کی اخلاقی برائیاں پیدا کر دی تھیں۔ وہ عیسائیت جو دنیا کو امن و آشتی اور تجدُد اور لذائذ دنیوی سے اجتناب کا سبق دینے کے لیے آئی تھی، جنگ و جدل، سفاکی و خون ریزی اور عیش و ہوس پرستی کا گھوارہ بن کر رہ گئی تھی۔ مذہبی پیشواؤں کی خانقاہیں عیش و نشاط کے چکلے بن چکے تھے، جن میں اگر مذہبی جذبہ باقی بھی تھا تو ایسی کریمہ اور تکلیف وہ شکل میں کہ اس کے تصور سے ہی روشنگئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سیاسی حالت بھی اس سے کم اترنہ تھی آئے دن کی خانہ جنگیوں اور صوبوں کی خود مختاری نے مشرقی اور مغربی روم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا اور چھٹی صدی کے آخر میں روم انتہائی تنزل و انحطاط کے درجہ کو پہنچ گیا تھا۔

تیرار و حانی مرکز ہندوستان تھا اگرچہ یہ بھی ایران کی طرح ہمیشہ توحید خالص سے نا آشنا رہا، لیکن یہاں کے مصلحین کرشن اور گوتم وغیرہ مختلف زمانوں میں فلسفیانہ روحانیت اور

اخلاقی کا درس دیتے رہے، لیکن یہ اس باقی مددوں سے فراموش ہو چکے تھے۔ شرک ہندوستان کے خیر میں تھا۔ اوهام پرستی نے کروڑوں خدا بنا دیے تھے۔

بت پرستی کے علاوہ مختلف قبائل میں مختلف مذاہب رائج تھے، ربیعہ و غسان میں اسی تھے تقاضہ میں عیسائیت کا اثر تھا، حمیر، کنانہ، بنو حارث اور کنہہ یہودی تھے، بنی تمیم کا قبیلہ بھوسی تھا، بعض قبائل میں ستارہ پرستی رائج تھی۔

ان مذاہب کے علاوہ مختلف قسم کے بے ہودہ خیالات و عقائد پائے جاتے تھے، کچھ ملحد تھے، جو سرے سے خدا کے وجود ہی کے منکر تھے، بعض خدا کے قائل تھے لیکن حشر و نشر اور سزا و جزا کو نہیں مانتے تھے بعض انبیاء کے منکر تھے، غرض کوئی ایسا عقیدہ و خیال نہ تھا جو عربوں میں رائج نہ رہا ہو۔

### عربوں کی اخلاقی حالت:

اخلاقی حالت انتہائی شرمناک تھی ایک ایک عورت کے کہی کہی شوہر ہوا کرتے تھے، شراب کھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ محرومین سماں سے تسع بھی کارثواب سمجھا جاتا تھا، عصمت کی کوئی قیمت نہ تھی بڑے بڑے ذی وجہت امراء کی عورتیں جامہ عصمت اتار چھینکتی تھیں۔

اس عالمگیر تاریکی میں اگر کسی قوم یا جماعت سے اصلاح کی امید ہو سکتی تھی تو وہ بنی اسرائیل تھے، لیکن انھیں غرور اور گھمنڈ نے بر باد کر دیا تھا۔ ساری خدائی میں وہ صرف انھیں قوم کو خدا کا محبوب اور اس کا کتبہ سمجھتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ان کی محبوبیت کی وجہ سے ان سے کوئی مواخذہ نہ ہو گا نافرمان اور سرکش ایسے تھے کہ پیغمبروں کی باتیں نہ سننے تھے اور انھیں قتل کر ڈالتے تھے۔

ان کا مذہب اگرچہ الہامی تھا، لیکن وہ بھی ان کی چیزہ دستیوں سے حفظ نہ رہا تھا۔ احکام الہامی کو توڑ مردوڑ کرائے مقصد کے مطابق بنائیتے تھے اور صرف ان ہی احکام پر عمل کرتے، جو ان کے مقصد کے معارض نہ ہوتے۔ ظاہری دینداری اور لفظی موشکھیوں کے علاوہ مذہب کی روح ان سے رخصت ہو چکی تھی اور سینکڑوں قسم کے اوهام و خرافات نے مذہب کی جگہ لے لی تھی۔ انتہا درجہ کے طماع اور لاپی تھے، سودخوری ان کی فطرت میں داخل تھی، جس نے ان

میں بڑی شفاوتوں اور سنگ دلی پیدا کر دی تھی۔ معمولی زیور کے طبع میں چھوٹے بچوں کو قتل کر دلتے تھے، اگرچہ وہ مذہب کے اعتبار سے نہایت قدیم التاریخ تھے، لیکن ان کی ذلت کی وجہ سے ان کی کوئی سیاسی اہمیت نہ تھی۔ ان کا مند ہی مرکزیت المقدس ان کے ہاتھوں میں نہ تھا اور دوسرے ملکوں میں آوارہ پھرتے تھے اور ہر جگہ ان کے ساتھ نہایت ذلت و تحفیر کا برہتا ہی کیا جاتا۔

تھا۔ غرض عقیدہ، مذہب اور سیاست ہر اعتبار سے بنی اسرائیل ایک مسخ شدہ قوم تھی۔

اس عالمگیر خلقت میں جب کہ ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی اور کہیں نور حق کی کوئی کرن نظر نہیں آ رہی تھی اور خدا کی تخلوق، دینی تعلیمات کے ساتھ انسانی اخلاق و شرافت کو بھی فراموش کر چکی تھی اور انسان کی بے قید آزادی اور خود غرضی سے نظام عالم درہم برہم ہو رہا تھا، ایک ایسے ہادی برحق کی ضرورت تھی جو بھکلی ہوئی تخلوق کو راہ راست پر لگائے اور ایک قوم کو نمونہ عمل بنا کر دنیا کے سامنے پیش کر دے۔

### خلاصہ کلام:

مذکورہ بالا حالات کے مطالعہ سے یہ بات آسانی سے ذہن شین ہو سکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبouth ہونے سے پہلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت ساری دنیا تاریک ہو چکی تھی اور زمین کے ربع مسکون (چوتھائی حصہ) پر تاریکی پھیلی ہوئی تھی کہ کسی حصہ اور کسی ملک میں کوئی ٹھہراتی ہوئی روشنی مطلق نظر نہیں آ رہی تھی۔ دنیا پر اس سے پہلے ایسا وقت نہیں آیا تھا کہ ایک وقت میں ہر جگہ تہذیب، تمدن، اخلاق، علم، حکمت، معرفت الہی سب کے سب اس طرح بر باد ہوئے ہوں اور پوری دنیا تیرہ دنیا تاریکی پر ملک میں اللہ تعالیٰ کے مرسل اور ہادی و رہنماءتے رہے اور یہ بعد دیگرے روشنی اور تاریکی کے دور دورے رات اور دن کی طرح خمودار ہوتے رہے لیکن چونکہ اب تمام ملکوں یعنی دنیا کے لیے ایک ہی ہادی برحق مبouth ہونے والا تھا لہذا اللہ تعالیٰ نے تمام ہادیوں اور ہر ملک کے رہبروں کی لائی ہوئی تعلیمات کے زمانہ کو ایک ہی مقررہ وقت میں ختم کر کے ہر ملک اور دنیا کے ہر حصہ میں بنئے ہادی اور نئے ہدایت نامہ کی ضرورت کو پیدا اور ہویدا کر دیا تھا اور ساری کی ساری دنیا یک زبان ہو کر زبان حال سے کسی ہادی اور ہدایت کی خواہش کا اظہار کر رہی تھی۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کامل ہادی اور ختم الرسل کی بعثت اور پیدائش کے لیے ملک عرب کا انتخاب کیا اور ربع مسکون کی اس تاریک شب کو ختم کرنے کے لیے مک مکرمہ سے آفتاب رسالت طلوع ہوا اور اس نے طلوع ہو کر تمام دنیا کو اپنی نورانی شاععون سے منور کر دیا۔ ہم کو اپنی کتاب، اس طلوع آفتاب ہی سے شروع کرنی ہے مگر اصل مدعای کے شروع کرنے سے پہلے اس سوال کا جواب دینا باتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے لیے ملک عرب ہی کیوں پسند کیا؟ اور دوسرے ملک میں نبی آخر الزمان کو کیوں نہ پیدا کیا؟

### آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عرب میں کیوں؟

عرب کا انتخاب؟ اس سوال کا سب سے زردست، نہایت معقول اور مسکت جواب یہ ہے کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم خواہ کسی بھی ملک میں پیدا ہوتے، ہر حالت میں یہی اعتراض آسکتا تھا، کیونکہ بہر حال وہ کسی ایک ہی ملک میں ہوتے اور دوسرے ممالک ان کی پیدائش وجود سے محروم رہتے۔ پس جبکہ یہ صورت بہر حال شدہ ہے تو مفترض کے لیے اعتراض کا کوئی حق باتی نہیں، لیکن بہر حال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عرب میں بعثت کے چند دیگر وجوبات درج ذیل ہیں۔

- دنیا کے دوسرے تمام مشہور ممالک کسی ناقوس کسی قدیم زمانے میں ایک ایک مرتبہ ضرور ترقی یافتہ اور عروج کی حالت میں رہ چکے تھے۔ ان کی تہذیب، تمدن، اخلاق، علوم وغیرہ ایسی حالت کو دیکھ چکے تھے کہ انہوں نے ناقوس انا ولا غیری دنیا کی قوموں کے سامنے بھایا تھا۔ نیز ہر ملک کو دوسرے ملک کا حاکم یا مخلوم بننے کا موقع مل چکا تھا۔

- دنیا کے کسی دوسرے ملک کی زبان اس زمانے میں ایسی مکمل اور اداً ہیان پر قادر نہ تھی جیسی کہ عرب کی زبان عرب کے جغرافیائی حالات اور باشندوں کی بے شغلی کے سبب مکمل ہو چکی تھی، لہذا کامل ہدایت نامہ کے لیے اس بات کی ضرورت تھی کہ وہ ایسی زبان میں نازل ہو جو دنیا کی زبانوں میں حد کمال کو پہنچ چکی ہو۔ عربی کے سوا کوئی دوسری زبان ایسے ہدایت نامہ کی جو قیامت تک کے لیے اور ہر ملک اور ہر قوم کے لیے نازل ہو

سخیل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لیے خودرت تھی کہ آخرت صلی اللہ علیہ وسلم ملک عرب میں پیدا ہوں۔

۱۔ اگر عرب کے سوا کسی دوسرے ملک میں وہ کامل نبی مسیح ہوتا تو اس ملک کے باشندے یعنی اول الخطاۃ میں چونکہ بھلے دوسرے ملکوں پر قابض ہو کر متصرف رہ چکے تھے لہذا اس نبی کی ہدایت اور ہدایت نامے کا توی اثر اپنی پوری اور حقیقی شان دنیا پر ثابت نہ کر سکتا اور اس کا ایک بڑا حصہ اس ملک کی قدمی روایات کی طرف منسوب ہو جاتا۔ اس نبی کے ذریعے تہذیب، اخلاق اور تہذیب نفس کا جو عظیم الشان کام انجام پانے والا تھا وہ بھی اس ملک و قوم کی قدمی روایات سے منسوب ہو کر نبی آخر الزمان اور خاتم الکتب کے عظیم وجہال کا حامی اور ہدایت کرنے والا نہ ہوتا۔

۲۔ اہل عرب نہ کسی غیر ملک کے مخلوم بنئے اور نہ کسی غیر ملک پر قابض و متصرف ہوئے تھے۔ عربوں کے لیے دنیا کا ہر ایک ملک اور ہر ایک قوم بھائی حیثیت رکھتی تھی۔ وہ جب اسلام کو لے کر لگلے تو ہماری یعنی بھر اور قیاؤس کے مشرقی ساحل سے جیسی یعنی بحیرہ روم کے مغربی ساحل تک ساری آباد مسجدان دنیا کے ملک اور قومیں ان کی نظر میں بھائی تھیں۔ وہ سب سے اجنبی تھے اور سب ان سے۔ اللہ تعالیٰ نے جب ساری دنیا کے لیے ایک مذہب تجویز کیا تو اسے ایک ایسی قوم کے ذریعے ساری دنیا میں شائع کرنا چاہا جو سب کے لیے بھائی و بے قلعہ قوم تھی۔

۳۔ عرب کے اخلاق، تہذیب اور تمدن نے چونکہ اس سے بھلے کوئی ترقی نہیں کی تھی، لہذا اس عالمگیر مذہب نے ان کو یہ ایک سب سے زیادہ شاستر، سب سے زیادہ مہذب، سب سے زیادہ بالاخلاق، سب سے زیادہ مسجدان اور ساری دنیا کا استاد اور ہر ہبہ بنا دیا۔

### آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت:

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم واقع نسل کے بچاں یا بچپن دن کے بعد ۸ ربیع الاول بروز ہجر بھطابق ۲۱، اپریل ۵۷۰ عیسوی کو صحیح صادق کے وقت مکرمه میں پیدا ہوئے۔ ولادت باسعادت کی تاریخ کے بارے میں مشہور قول تو ۲۲، ربیع الاول کا ہے، لیکن

چہرہ محدثین اور مؤرخین کے ہاں راجح اور مختار قول یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۸ ربیع الاول کو دنیا میں تشریف لائے۔ یہی تاریخ عبد اللہ بن عباس اور جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم ہے بھی منقول ہے اور علامہ قسطلاني رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

### عقیدہ اور تسمیہ:

ولادت کے سات دن بعد آپ کے دادا عبد المطلب نے آپ کا عقیدہ کیا، جس میں تمام قریش کو دعوت دی۔ اسی تقریب میں عبد المطلب نے آپ کا نام ”محمد“ تجویز کیا۔ قریش نے عبد المطلب سے یہ نام رکھنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے لگتا ہے کہ اس بچے کی بہت زیادہ تعریف و مدح ہو گی۔

عبد المطلب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے پہلے ایک خواب میں اپنی پشت سے ایک زنجیر ظاہر ہوتے دیکھی جس کا ایک سراز میں، دوسرا آسمان، تیسرا مشرق اور چوتھا مغرب تک پھیلا ہوا تھا۔ کچھ در بعده زنجیر درخت بن گئی جس کے ہر پتہ پر ایسا نور تھا، جو سورج کی روشنی سے ہزارہا درجہ تیز ہے مشرق اور مغرب کے لوگ اس کی شاخوں سے پہنچتے ہوئے ہیں، قریش کے بھی کچھ لوگ اس کی شاخوں کو پکڑتے ہوئے ہیں، جبکہ قریش قبلہ کے کچھ لوگ اس کے کارادہ کرتے ہیں یہ لوگ جب درخت کو کانٹے کے لیے اس کے قریب آتے ہیں تو ایک نہایت خوبصورت جوان ان کو ہٹاتا ہے۔ تعبیر بتانے والوں نے عبد المطلب کو اس خواب کی تبیر دی کہ تمہاری نسل سے ایک ایسا لڑکا پیدا ہو گا کہ مشرق سے لے مغرب تک لوگ اس کی ابتعاث کریں گے اور آسمان اور زمین والے اس کی مدح و شاکریں گے۔ چنانچہ عبد المطلب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ”محمد“ رکھا۔

### حیمه سعدیہ رضی اللہ عنہا کی گود میں:

اُس زمانے میں عرب کا دستور تھا کہ وہ نو مولود بچوں کو دیہات میں رہنے والی عربی انسانی گورتوں کے حوالے کرتے، تاکہ بچے دیہات میں پل بڑھ کر غالباً عربی زبان اور طرز و نہاد از سکتے۔ اندھا تی دستور اور روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لینے کے لیے بہت ساری گورنیں تبدیل ہنرنے مگر آئیں لیکن یہ سعادت اور خوش فضیلی سیدہ حیمه سعدیہ رضی

اللہ عنہا کا مقدر تھی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ سعیدہ ائمہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حلیہ سدیہ کے حوالے کر دیا۔

چار سال کے بعد حلیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ائمہ کے حوالے کیا۔ ایک روایت کے مطابق اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پانچ سال تھی، جبکہ ایک تقریبی روایت بھی ملتی ہے جس کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اس وقت چھ سال کی تھی۔

### عبدالطلب کی کفالت:

چھ سال کی عمر میں آپ کی والدہ ماجدہ سعیدہ ائمہ آپ کو لے گر مدینہ روانہ ہوئیں، ام ایکن بھی اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھیں، سعیدہ ائمہ ایکٹ ملاہ اپنے بیکے میں گزار کر واپسی آری تھیں کہ مکہ اور مدینہ کے درمیانی مقام الیوال میں انتقال فرمایا۔ [اللہ وانا الیه راجعون]

والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد امام الحسن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کم مکرم ملائیں اور عبدالطلب کے پرد کیا، عبدالطلب ہیش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ رکھتے، جب مسجد حرام میں آتے تو خانہ کعبہ کے سایہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک قالمین بچھائی جاتی تھی اس قالمین پر کسی کو بھی بھتی کہ عبدالطلب کی الولاد بھی اس قالمین کے کناروں ہی پر بھتی، لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم آتے تو بے تکلف عبدالطلب کی مندرجہ بیٹھ جاتے، آپ کے پیچا آپ کو ہٹانا چاہتے تو عبدالطلب انہیں منع کرتے کہ بیرے اس بیٹے کو چھوڑ دی، اللہ کی قسم اس کی شان ہی نہیں۔ دوسال سنت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے شفیق داؤ اسی تربیت میں رہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر آٹھ سال ہو گئی تو عبدالطلب بھی اس جہان قافی سے کوئی کر گئے، اس وقت عبدالطلب کی عمر مختلف اقوال کے مطابق بالترتیب بیساکی، پچساکی، ایک سو دس یا ایک سو بیس سال تھی۔ ام ایکن کہتی ہیں کہ جب عبدالطلب کا جنازہ اٹھا تو میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنازے کے بچھے روتے جاتے تھے۔

### ابوطالب کی کفالت:

عبدالطلب نے وفات سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بیٹے ابوطالب کے پرد کیا۔ یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بچا ابوطالب کی نگرانی میں آگئے۔ ابوطالب کو بھی آپ صلی

الله علیہ وسلم سے انتہائی محبت ہو گئی۔ ابوطالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اولاد سے زیادہ عنزہ رکھا اور مرتبے دم تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی تربیت کی کہ تربیت کا حق ادا کر دیا۔

ابوطالب چونکہ تجارت کے پیشے سے وابستہ تھے، چنانچہ ایک دفعہ انہوں نے شام بانے کا ارادہ کیا۔ مصائب و شدائد سفر کے خیال سے ابوطالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر جانا مناسب نہ سمجھا، لیکن عین روانگی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر غم اور نارا نسکی کے آثار دیکھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ساتھ لے جانے کا فیصلہ کیا۔ اہل مکہ کا یہ قافلہ جب بخیر اراہب کی عبادت گاہ کے پاس پھر انہوں راہب بنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور نبی آخر الزمان پہچان لیا، کیونکہ اس نے اپنی کتابوں میں آپ کی علامات کے بارے میں پڑھا تھا۔ اس راہب نے اہل قافلہ کو قسم دے کر کہا کہ اس پچے کو ردم لے کرنہ جانا ورنہ روی اسے دیکھ کر مار دالیں گے۔ پھر ابوطالب سے کہا کہ اسے والپس لے چلو۔

### فبار کی جگہ:

عرب میں عرصہ دراز سے لڑائیوں کا سلسلہ جاری تھا، واقعہ اصحاب الفیل کے بعد جو مشہور معزک پیش آیا وہ تاریخ کے اور اق میں "حرب الفجوار" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ معزک قبیلہ قیس اور قریش کے درمیان پیش آیا تھا۔ اس لڑائی میں بھلے پہل توآل قیس غالب تھے، لیکن بعد میں قریش کا پلے بھاری رہا، بالآخر صلح پر ہی لڑائی کا خاتمہ ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ ان دونوں لڑائی کی عمر کو پہنچ کرے تھے، لیکن اس لڑائی میں شرکت نہیں فرمائی، تاہم انکی راستی ملتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیر اندازی کے دوران اپنے پیچا جناب زید بن محمد الطلب کو تیر پکڑاتے تھے۔ اس لیے کہ یہ جنگ ان مہینوں میں لڑی جا رہی تھی، جن میں جنگ کرنے کا رام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس جنگ کو "جنگ فبار" کہا جاتا ہے۔ جنگ فبار کے ایام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارکت چودہ یا پندرہ برس تھی۔ محمد بن الحنفیہ ہیں کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بیس برس تھی۔ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر بن عبد المطلب کی زندگی میں جوان ہو چکے تھے۔ [سیرۃ ابن ہشام]

## حلف الفضول کی تجدید:

لڑائیاں تو عرب میں عرصہ دراز سے جاری تھیں۔ حرب فمار کے بعد چند لوگوں کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ جس طرح گذشتہ زمانے میں قتل و غارت اور فسادات کو روکنے کے لیے فضل بن فضالہ، فضل بن وداحہ اور فضل بن حارث نے ایک معاهدہ ترتیب دیا تھا جو اُنمی کے نام پر "حلف الفضول" کے نام سے مشہور ہوا اسی طرح اب بھی دوبارہ اس کی تجدید کی جائے۔ المذاشوں میں جب کہ حرب فمار کا سلسلہ رک گیا تو ذی قعده میں حلف الفضول کی تحریک شروع ہو گئی۔ سب سے پہلے زبیر بن عبدالمطلب اس معاهدہ اور حلف کے محترم ہوئے۔ بنوہاشم اور بنوتیم، عبد اللہ بن جدعان کے مکان میں جمع ہوئے، عبد اللہ بن جدعان نے سب کے لیے کھانا تیار کیا اور سب نے مظلوم کی حمایت اور نصرت کا عہد کیا، چاہے مظلوم اپنا ہو یا پر ایسا، دیسی ہو یا جنبی حتی الواسع اس کی مدد کی کوشش کی جائے گی۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس معاهدہ کے وقت میں بھی عبد اللہ بن جدعان کے مکان پر موجود تھا۔ فرمایا کہ اگر اس معاهدہ کے بدالے میں مجھے سرخ اوٹ دی جاتے تو بھی میں پسند نہ کرتا اور اگر اب زمانہ اسلام میں بھی مجھے ایسے کسی معاهدہ کی طرف بلا یا جائے، جو قتل و غارت اور فسادات کی روک تھام کے لیے کیا جا رہا ہو تو بھی میں اس میں شرکت ضرور کروں گا۔

## میدان تجارت میں قدم:

بچپن کی وادی کو عبور کرنے اور نوجوانی کے گلستان میں قدم رکھتے ہی انسان کو معاش کی فکر دا من گیر ہو جاتی ہے اور وہ سونپنے لگتا ہے کہ اسے کون ساز دیعہ معاش اختیار کرنا چاہیے، تاکہ اس کی اور اس کے متعلقین کی زندگی آرام سے بسر ہو سکے۔

المذاکر کی تقاضائے بشری کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوانی کے آغاز میں ہی اپنے آباء اجداد کی طرح تجارت کو بطور پیشہ اپنالیا۔ تجارت کے لیے انسان کے اندر جن اوصاف کا پایا جانا ضروری ہونا چاہیے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر بدرجہ اتم موجود تھیں، مثلاً ایمانداری، امانتداری، جھوٹ سے پر بیز، حق، وعدہ کی پابندی و حوكہ دہی سے اجتناب اور سب

سے بڑھ کر دوسروں کی خیر خواہی اور ہمدردی۔ یہ ایسے اوصاف ہیں جو انسان کو ایک کامیاب تاجر بنادیتی ہیں۔ دیانت اور امانت تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلم تھی اور آپ عرب میں "امین" کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجسم سچائی تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صدق و صفا کا مصدق بن کر "الصادق" کے طور پر بھی معروف ہو گئے تھے۔

چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان دنوں اپنا سرمایہ نہیں تھا لہذا سائب بن قیس نے سرمایہ فراہم کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شریک تجارت کر لیا۔ کچھ ہی عرصہ بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت داری اور صداقت کا شہرہ عام ہوا تو عرب کی ایک متمول خاتون سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خولید نے آپ کو اپنامال دے کر تجارت کی پیشکش کی اور دوسرے سرمایہ داروں سے زیادہ منافع دینے کا عندیہ دے دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ معاہدہ کیا اور شام کے تجارتی سفر کے لیے تیار ہو گئے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے غلام میسرہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور تعادن کے لیے ساتھ کر دیا۔ اس تجارتی سفر سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خدیجہ کو ان کی توقع سے بڑھ کر منافع دیا۔

### رشتہ ازدواج:

شام کے اس تجارتی سفر سے واپسی پر جب میسرہ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سفر کے عجیب حالات اور واقعات سے اگاہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق، دیانت، امانت اور صداقت کے بارے اسے بتایا تو خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دل میں آپ کی وقعت اور بھی بڑھ گئی۔ اس وقت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بڑے بڑے گھر انوں سے نکاح کے پیغام آرہے تھے، مگر خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سب پیغامات کو مسترد کرتے ہوئے کہ کے اس ذریتیم کو اپنا سرناج بنانا چاہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود ہی نکاح کا پیغام بھیجا جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب کے مشورہ سے قبول کیا۔ وقت مقررہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابو طالب، سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور دیگر رؤسائے خاندان کے ساتھ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے۔ ابو طالب نے خطبہ نکاح پڑھا جس کے آخری الفاظ کچھ یوں ہیں:

”أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ مُحَمَّداً مِنْ أَنْوَارٍ بِهِ فَتَنْ منْ قَرْيَشِ الْمَاجِبِ شَهَادَةً وَنَبَلاً وَفَضْلًا وَعَلَّاقَانَ كَانَ فِي السَّالِ قُلْ قَالَهُ فِلْلَ رَائِلٌ وَعَارِيَةٌ مُسْتَرِجَةٌ وَلَهُ فِي خَدِيجَةٌ بِنْتُ خُوَلَدُ رُغْبَةٌ لَهَا فِيهِ مِثْلُ ذَلِكَ“

ترجمہ: اما بعد محمدہ ہیں کہ قریش کا جو جوان بھی شرف، رفت، فضیلت اور عقل میں آپ کے ساتھ تو لا جائے تو آپ ہی بھاری رہیں گے۔ مال میں اگرچہ کم ہیں، لیکن مال ایک زائل ہونے والا سایہ ہے اور ایک عاریت ہے جو واپس لی جانے والی ہے یہ خدیجہ کے ساتھ نکاح کی طرف مائل ہیں اور اسی طرح خدیجہ بھی آپ سے نکاح کی خواہ شمند ہے۔

وقت نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۵ سال تھی جبکہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۲۰ سال تھی۔

### حجر اسود کی تنصیب:

حوالہات زمانہ کی وجہ سے خانہ کعبہ کی عمارت نہایت بو سیدہ اور ختنہ ہو چکی تھی۔ نشیب میں ہونے اور حچت نہ ہونے کی وجہ سے بارش کا پانی اندر چلا جاتا تھا یہ دیکھ کر قریش نے از سرنو خانہ کعبہ کی تعمیر کا ارادہ کیا۔ قریش نے اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنے حلال مال کو جمع کیا اور پرانی عمارت کو منہدم کرتے ہوئے نئی تعمیر کا آغاز کیا۔ جب تعمیر مکمل ہو گئی اور حجر اسود کو اپنی جگہ پر رکھنے کا وقت آیا تو یہ سعادت حاصل کرنے کے لیے سارے قبائل آپس میں دست و گریبان ہو گئے، تکوادیں کھینچ لی گئیں، چار پانچ دن گزرنے کے بعد بھی جب کوئی فیصلہ نہ ہوا تو قریش کے ایک معزز اور عمر شخص ابو امية مخدومی نے مشورہ دیا کہ کل جو شخص بھی سب سے پہلے مسجد حرام میں داخل ہو گا اسی سے فیصلہ کروائیں گے اور پھر اس نے جو بھی فیصلہ کیا اس سب مانیں گے۔ صحیح ہوئی توبہ لوگ مسجد حرام میں پہنچ کیا دیکھتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہاں پہلے سے موجود ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی سب کی زبانوں سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے: هذَا مُحَمَّدُ الْأَمِينُ رَضِيَّنَا هذَا مُحَمَّدُ الْأَمِينُ، ”یہ محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] ہیں جو امین ہیں، ہم اس پر راضی ہیں۔ یہ محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] ہیں جو امین ہیں۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر منگوائی اپنے ہاتھوں سے جھرا سود کو اس چادر میں رکھا اور پھر ہر قبیلے کے سردار کو بلا کر فرمایا کہ چادر کے ایک ایک کونے کو پکڑ لوتا کر کوئی قبیلہ اس سعادت سے محروم نہ رہے۔ سب نے چادر کو پکڑ کر اٹھایا اور جھرا سود کے مقام تک لے آئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے جھرا سود کو اٹھا کر اپنی جگہ پر نصب فرمایا۔ یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فراست اور ذہانت سے اہل مکہ کو ایک بڑے جگلے سے بچالیا۔

### نبوت سے سرفرازی:

رسم دنیا ہے اور قانون قدرت بھی ہے کہ طلوع آفتاب سے پہلے سیدہ جھرا نمودار ہو جاتا ہے، بارش سے پہلے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں خوشخبری دیتی ہیں، فضائل تغیر اور ہولے ہولے اُنے والی ہوائیں موسم بہار کی نوید سناتی ہیں۔۔۔۔۔ اس لیے جوں جوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بڑھتی گئی اور نبوت کا زمانہ قریب آتا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں غیر معمولی تغیرات پیدا ہوتے جاتے تھے اور عمر کی زیادتی کے ساتھ ساتھ طبیعت دنیا سے بھتی جاتی تھی اور روح ایک انجانی چیز کے لیے بے قرار رہتی۔ آہستہ آہستہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت تھائی کی طرف مائل ہونے لگی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ کھانے پینے کا سامان لے کر کہ کے باہر غار حراجے جاتے اور دنیا کی نگاہوں سے دور عبادت الہی، مراقبہ اور ریاضت میں مشغول رہتے۔ کچھ ہی دنوں بعد نبوت کے آہار اور علامات شروع ہو گئے، خواب میں اسرار منکشف ہونے لگے جو خواب بھی دیکھتے وہ حج ہو کر سامنے آتا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال کو پہنچی تو ایک دن جب کہ آپ حسب معمول غار حراج میں تشریف فرماتھے فرشتہ غیب نظر آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

”اَقْرَأْ اِبَا سَمِّ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ“

یہ واقعہ انتہائی غیر معمولی تھا، گھرو اپس تشریف لائے تو سینہ مبارک جلال الہی سے لمبڑ تھا، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو واقعہ کی تفصیلات بتائیں، انھوں نے تسلی دی کہ آپ صلی

اللہ علیہ وسلم پر بیان نہ ہوں اللہ کبھی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہیں چھوڑے گا اس کے بعد سیدہ خدیجہ انھیں اپنے ایک رشتہ دار ورقہ بن نو فل جو تورات اور انجلیل کے بڑے نام تھے کے پاس لے گئیں، انہوں نے واقعہ کی تفصیلات سن کر کہا کہ یہ وہی ناموں ہے جو مومنی علیہ السلام پر اترا تھا، کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو مگر سے نکال دے گی تو میں آپ کی مدد کرتا۔

اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اصل حقیقت واضح ہو گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا فرض انجام دینا شروع کر دیا۔

### دعوت و تبلیغ کا باقاعدہ آغاز:

غارِ حراء کے واقعہ کے کچھ عرصہ بعد حکم الٰہی کی تعمیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت و تبلیغ شروع کی لیکن ایک ایسی قوم [جو صدیوں سے کفر و شرک کی تاریکیوں میں ذہبی چلی آرہی تھی] کو توحید کے رنگ میں رنگنا اور سینکڑوں خداوں کے پیچاریوں کو ایک ذات وحدہ لاشریک کے آگے جھکانا آسان کام نہ تھا، اس لیے سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاص متعلقین اور دوستوں کو دعوت اسلام دی۔ وہ لوگ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچھی طرح واقف تھے انہوں نے بلا تسلی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتے ہوئے اسلام کو قبول کیا۔ چنانچہ عورتوں میں سب سے پہلے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا دامت ایمان سے سرفراز ہو گئیں ان کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیرینہ دوست سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور غلاموں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام زید بن حارث رضی اللہ عنہ اور نو عمردیں میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ سے یہ سلسلہ بڑھتا رہا اور عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان، زبیر رضی اللہ عنہ بن العوام، عبد الرحمن رضی اللہ عنہ بن عوف، سعد رضی اللہ عنہ بن ابی و قاص اور طلحہ رضی اللہ عنہ بن زبیر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان لوگوں کی کوشش اور محنت سے مومنین کا دائرة وسیع ہوا اور عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر، ارقم رضی اللہ عنہ، سعید رضی اللہ عنہ بن زید، عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود، عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون، قدامہ رضی اللہ عنہ، ابو سلمہ رضی اللہ عنہ، ال

عبدہ رضی اللہ عنہ اور صیب رضی اللہ عنہ بھی اسلام کے دائرے میں داخل ہوئے۔ یہ وہ دور تھا جب مسلمان چھپ چھپ کر نماز پڑھا کرتے تھے۔

### اعلائیہ تبلیغ کا آغاز:

چند لوگوں کے اسلام لانے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ختم نہیں ہو گیا تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے عالم کے لیے رہنمابنا کر جیتا تھا اور پوری انسانیت کو راہ راست پر آنے کی دعوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ تھی، اس لیے تین سال کے بعد کبھی ”يَا إِيَّاهَا الْمُدَّيْرُّ قُمْ فَأَنْذِرْ“ کبھی ”فَاصْدَعْ بِمَا تُمَرِّدُ أَعْرِضْ عَنِ الْمُشَرِّكِينَ“ اور کبھی ”وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ“ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِتَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ۔ فَإِنَّ عَصُوكَ قَطْلَانَ إِنِّي بَرِيعٌ مَّتَاعٌ مَّنْلُوَنَ، کے ارشادات ربی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علی الاعلان تبلیغ کرنے کا حکم ہوا۔

### کوہ صفا پر اعلان حق:

ان احکامات کی تجھیں کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر ”يَا مَغْسِهَ الْقُرْبَىِش“ کی صدائگائی، قریش کے جمع ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اپنے بارے میں پوچھا کہ میں نے تمہارے درمیان اپنی زندگی کے چالیس سال گزارے ہیں کیا تھی تم نے مجھے جھوٹ بولتے ہوئے نہیں؟ سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا کہ نہیں، ہم نے کئی بار آزمایا، لیکن مجھ کے سوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کچھ نہیں سن۔ اس پر تجھ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر میری ایک اور بات بھی سن کر مان لو کہ:

قولوا إِلَّا اللَّهُ إِلَّا اللَّهُ ..... اللَّهُ كَمْ سوا كُوئی عبادت کے لائق نہیں۔ یہ سنتا تھا کہ قریش اگ ک بولہ ہو گئے اور سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچا ابو لہب نے پھر مارتے ہوئے بد دعا دی جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ”سورہ لہب“ نازل فرمایا کہ دنیا تک کروڑوں انسانوں کی زبان پر اس کے لیے بد دعا جاری کرو۔

اس واقعہ کے چند دن بعد نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ”وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ“ پر عمل کرتے ہوئے آل عبد المطلب کو ایک دعوت پر جمع کرتے ہوئے فرمایا کہ :

سکل وہ چیز ہے کہ آیا ہوں جو دنیا دنوں کی کفیل ہے اپنے لوگ میرے  
قریبی عنز ہو اور اس کام میں میرا ساتھ دینا چاہیے۔ سب خاموش رہے مگر اس قابلی  
محاشرے میں جب بھی دوسرا سے قیچیے کا کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادتی کر جائے تو  
عبدالطلب کے سب افراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کرتے ہیں اس بارہ گروہ کو اٹھانے میں  
کون میرا ساتھ دے گا؟ سب خاموش رہے صرف ایک نوجوان نے کہا میں آپ کا ساتھ دوں گا  
اگرچہ میں ان سب میں کمزور اور کم عمر ہو۔ باقی سب خاموشی سے سر جھکائے چلے گئے آپ صلی  
الله علیہ وسلم کا ساتھ دینے کا اعلان کرنے والے نوجوان سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے۔

### پہلی اسلامی درسگاہ:

فرزندان توحید کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر ان کے لیے ایک ایسی درسگاہ کی  
ضرورت محسوس کی گئی جہاں نو مسلموں کو اسلامی تعلیمات سے روشن کیا جائے۔ اس ضرورت  
کو پورا کرنے کے لیے ارتقیم بن ارتقیم کے مکان کا انتخاب کیا گیا۔ یوں اسلام کی پہلی درس گاہ و جزو  
میں آئی۔ ارتقیم کے اس مکان میں ہر وقت مسلمانوں کا مجمع رہنے لگا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم  
بطور محلم یہاں آنے والوں کو اسلامی تعلیمات سمجھاتے۔ تین سال تک دار ارتقیم نبی پاک صلی اللہ  
علیہ وسلم کی قیام کا رہا۔ ان تین سالوں کے دوران جو لوگ مسلمان ہوئے ان کا شمار بھی اول  
المسلمین میں ہوتا ہے۔ دار ارتقیم میں سب سے آخری جو شخص مسلمان ہوئے وہ سیدنا عمر فاروق  
رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو تقویت ملی اور وہ دار ارتقیم سے نکل کر  
کھلی فضا میں اسلام کی تبلیغ اور دوسری سرگرمیوں کو انجام دینے لگے۔

### عزم واستقلال کا پیکر:

قریش نے جب دیکھا کہ شیع اسلام کے پروانے دن بدن بڑھتے ہی جارہے ہیں تو انہوں  
نے مخالفت اور بھی بڑھادی۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین مکہ کی دھکتی رکن  
کو چھیڑا تھا اور ان کے صدیوں پر انس باطل عقائد پر ضرب لگائی تھی۔ قرآن نے ان کے ان  
معبدوں کو "حَسْبُ جَهَنَّمُ" دوزخ کا ایندھن قرار دیا تھا، لیکن وجہ تھی کہ مشرکین مکہ آپ صلی  
الله علیہ وسلم کی مخالفت کرتے تھے۔

ایک روز نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم حرم مکہ میں جا کر کھڑے ہوئے اور علی الاعلان توحید کی دعوت دی۔ مشرکین کو یوں سر عام اپنے معبود ان باطلہ کی تذلیل و توبیہ ہضم نہ ہوئی لہذا انہوں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر دیا، حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچاتے ہوئے راہ حق میں چہلے شہید کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہو گئے۔

اس کے بعد مشرکین مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے، راستے میں کائنے بچا بچا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نکل کرتے، کالیاں دیتے، ساحر اور مجنون کہہ کر پکارتے، نوبت بہ اس جاریہ کہ ایک دن جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول تھے ایک خبیث نے مردار اونٹ کی او جبڑی لا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر ڈال دی۔ اگرچہ ان سب کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کے دو الفاظ "اللَّهُمَّ أَهْلِكُهُمْ" ہی کافی ہو سکتے تھے، لیکن رحمت و شفقت کے اس پیکر کی زبان سے ہمیشہ "اللَّهُمَّ أَهْلِكُهُمْ" کی بجائے "اللَّهُمَّ اهْدِنَا وَإِنَّمَا يَأْتِي لَنَا مُؤْمِنُونَ" ہی کے الفاظ لکھتے تھے۔

قریش کی تمام تر مخالفتوں کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت جرأت اور استقلال کے ساتھ اپنے کام میں مصروف رہے۔ قریش مکہ کو جب یقین ہو گیا کہ ہماری کوششیں رائیگاں جاری ہیں تو انہوں نے مجبور اگد و سرارستہ اختیار کیا۔

قریش نے ایک وذر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچا ابوطالب کے پاس یہ کہنے بھیجا کہ اپنے بھتیجے کی حمایت چھوڑ دے، کیونکہ وہ ہمارے خداوں کی بے حرمتی کرتا ہے، ابوطالب نے ان لوگوں کو سمجھا بجھا کر رخصت کر دیا۔ دو چار دن کے بعد یہ لوگ پھر آئے اور ابوطالب سے دہنی مطالبه کیا، اس مرتبہ ابوطالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے سامنے بلایا۔ قریش نے کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ! اگر تمھیں اس نئے دین سے مال جمع کرنا مقصود ہو تو ہم تمھیں اتنا مال دیں گے کہ کسی اور کے پاس نہ ہو، عزت و شرف کی خواہش ہے تو ہم تمھیں اپنا سردار تسلیم کر لیتے ہیں، اگر حکومت کی خواہش ہو تو ہم تمھیں سارے بلاد عرب کا بادشاہ بنادیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر جواب میں قرآن کریم کی چند آیات نائیں پھر

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف رسول بن اکر بھیجا ہے تم میری بات مان لو اسی میں تمہاری بھلائی ہے اور اگر تم انکار کرتے ہو تو میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کروں گا کہ وہ تمہارے لیے کیا حکم صادر فرماتا ہے۔

اس کے بعد قریش بھی کچھ باتیں کر کے چلے گئے اور جاتے ہوئے ابوطالب کو مقابلہ کا چیخ بھی دے گئے۔ قریش کے جانے کے بعد ابوطالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمایک بحثجہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں، اب میرے اندر قریش سے مقابلہ کی ہمت نہیں رہی، بہتر ہو گام اپنے دین کا اعلان اور ان کے بتوں کی برائیاں علی الاعلان بیان کرنا چھوڑ دو۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : پچا جان! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں چاند رکھیں، اور دوسرے ہاتھ میں سورج تب بھی میں اپنے کام سے باز نہیں رہ سکتا۔ یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کے پاس سے بادیدہ تریکتی ہوئے اٹھے کہ : پچا جان! اگر میری وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہو تو میں چلا جاتا ہوں لیکن میں اپنا یہ کام نہیں چھوڑ سکتا یہاں تک کہ سب لوگ ایمان والے نہ بن جائیں یا میں دنیا سے چلا جاؤں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ کلمات سن کر ابوطالب کی غیرت جوش میں آئی اور کہنے لگا: **وَإِنَّهُ لَنْ يَصُلُّ إِلَيْكُمْ بِجُمِيعِهِمْ حَتَّىٰ أُوْسَدَ فِي التَّدَابِ دَفِينَا** کہ اللہ کی قسم یہ تیرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے جب کہ میں زندہ ہوں۔ تم جو چاہو کہو، جو تمہارے دل میں آئے کرو، یہ لوگ اگر سب کے سب جمع ہو جائیں تب بھی تجھے ہاتھ نہیں لگا سکتے۔

## مسلمانوں کی جبهہ کی طرف ہجرت:

اہل اسلام کا دائرہ و سعی ہوتا رہا اور قریش کے بڑے بڑے لوگ اسلام قبول کرنے لگے تو مشرکین مکن نے کمزور اور بے بس مسلمانوں پر بے جا سختیاں شروع کر دیں اور ان پر ٹکم کے پہاڑ توڑنا شروع کر دیے، کسی کو عین دوپہر کے وقت تینی ریت پر لاثاتے، کسی کو انکاروں پر ڈالتے اور سینے کے اوپر بھاری پتھر رکھتے اور یہ مطالبہ کرتے کہ دین اسلام سے باز آجائو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے برأت کا اظہار کر دو۔

مسلمان کافروں کے ان مظالم سے تنگ آچکے تھے اور کسی ایسی پناہ گاہ کی تلاش میں تھے جہاں وہ امن و سکون کے ساتھ رہ کر دین اسلام کے احکامات پر عمل کریں۔ ان حالات کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جانشوروں کو جب شہ جانے کا مشورہ دیا کہ جب تک حالات اپنے ڈگر پہ نہیں آتے تب تک تم جب شہ میں رہو۔ اس پر گیارہ مرد اور چار عورتیں ایک منحصر ساقابلہ بنائیں کہ جب شہ چلے گئے، ان کے بعد دوسرے مسلمان بھی وقایو فقاً جب شہ کی طرف جاتے رہے۔ کافروں کو جب پتہ چلا تو انہوں نے عمر بن العاص اور عبد اللہ بن ربعہ کو تھفے تھائے دے کر شاہ جب شہ کے نجاشی [بادشاہ] کی طرف بھیجا کہ کہ سے آکر یہاں پناہ لینے والوں کو ہمارے حوالے کر دو۔ اس لیے کہ انہوں نے ہمارے باپ دادل کے دین سے ہٹ کر الگ دین اختیار کیا ہے۔ نجاشی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں سے اس بارے میں پوچھا تو جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے ایک پر جوش اور مدد مل تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

”ائیہا النبیلک! ہم لوگ جاہل تھے، بتوں کے پیاری تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاری اور قطع رحمی کرتے تھے۔ ہماری اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک رسول بھیجا جس نے ہمیں اللہ کی طرف بلا یا، اس نے ہمیں توحید کی تعلیم دی، سچائی، امانت، دیانت اور صلہ رحمی کا سبق دیا، ہمایوں کے ساتھ اچھے سلوک کی تعلیم دی، بدکاری، جھوٹ اور قیمتوں کا ممال کھانے سے روکا۔ قتل و غارت سے نفرت دلائی اور سب سے بڑھ کر عبادت اللہ کا حکم دیا، ہم نے ان کی بات مانی اور ان کی تعلیمات پر عمل کیا۔ اس وجہ سے یہ لوگ ہماری جان کے دشمن بن گئے۔ مختلف حیلوں بہانوں سے ہمیں ستایا، یہاں تک کہ ہم اپنے وطن سے ہجرت کر کے آپ کے ملک میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ ہمیں یقین ہے کہ یہاں ہماری جان محفوظ رہے گی۔“

سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کی اس تقریر سے نجاشی بڑا متاثر ہوا اور کہا کہ یہ اور عیسیٰ علیہ السلام کا لایا ہوا دین ایک ہی درخت کے پھل ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے قریشی سفیروں کو ان کے تھنے تھائے و اپس کر دیے اور مسلمان مہاجرین کو ان کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔

دوسرے دن قریش کے سفیروں نے نجاشی کے درباری پادریوں کو رشوت دے کر ساتھ طایا اور کہا کہ یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بندہ سمجھتے ہیں لہذا تم اپنے بادشاہ سے ان کی

ذکایت کر دتا کہ وہ براہم ہو کران کو جسے سے نکال دے۔ چنانچہ یہ معاملہ ایک بار پھر نجاشی کے سامنے پیش ہوا، نجاشی نے ان سے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے پوچھا تو سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے سورہ مریم کی آیات تلاوت فرمائی جسے سن کر نجاشی بڑا خوش ہوا اور کہا کہ : اللہ کی قسم جو کچھ تم نے کہا سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ذرہ بھر بھی اس سے زیادہ نہیں تھے۔ قریش کے سفیروں کی تدبیر بھی خطا ہو گئی اور وہ مایوس ہو کر مکہ واپس ہوئے۔

اس واقعہ کے چند ماہ بعد کسی نے افواہ پھیلائی کہ قریش مکہ حلقہ بجوش اسلام ہو چکے ہیں۔ مہاجرین نے جب یہ بات سُنی تو ان کے دل میں مکہ چلے آنے کی خواہش پیدا ہوئی لیکن مکہ کے قریب پہنچ کر انھیں معلوم ہوا کہ یہ خبر جھوٹی تھی، اب نہ واپس جا سکتے تھے اور نہ مکہ میں جانا گوارہ تھا لہذا سوائے چند کے باقی چھپ چھا کر مکہ چلے آئے۔

### جسہ کی طرف دوسری ہجرت:

چونکہ مسلمانوں کی وجہ سے جسہ میں قریش کے سفراء کی بے عزتی ہوئی تھی اس لیے انتقام کی اگٹ میں سلگ رہے تھے لہذا اس مرتبہ انہوں نے ایڈار سانی میں ساری حدود کو پار کر دیا جس سے تنگ آگر مسلمان دوبارہ جسہ کی طرف ہجرت پر مجبور ہو گئے، اس مرتبہ مہاجرین کا یہ قافلہ ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتوں پر مشتمل تھا۔ کفار مکہ نے ان کو روکنے کے لیے طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالیں، لیکن بالآخر یہ قافلہ بے سروسامانی کی حالت میں سر زمین جسہ پہنچ سو شل بائیکاٹ:

مشرکین مکہ کی تمام تر کوششوں کے باوجود دین اسلام کی اشاعت و ترویج سے مشرکین رقابت کا ذکار ہو گئے، اس لیے انہوں نے سارے عرب قبائل کو جمع کر کے ایک معاهدہ کیا کہ جب تک بنی ہاشم "محمد" کو ہمارے حوالے نہیں کریں گے تو تک بنی ہاشم کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات منقطع رہیں گے، ان سے کسی قسم کا لین دین نہیں ہو گا۔ یہ عہد نامہ لکھ کر حرم میں انکار یا گیا۔

آپ کو ان کے حوالے کرنے کی شرط ایسی تھی ہے نبی ہاشم خصوصاً بھی تسلیم نہ کر سکتے تھے، اس لیے سارے بنو ہاشم سوائے ابو لمب کے کم کے باہر ایک پہلی دن میں چلے گئے۔

### شعب ابی طالب میں نظر بندی اور رہائی:

اس گھانی کو تاریخ دنوں نے شعب ابو طالب سے منسوب کیا ہے۔ کفار مکہ نے تمام بنو ہاشم کو اس جگہ محصور کیا تھا۔ تین سال انتہائی بے سر و سامانی کی حالت میں اس گھانی میں گزرے، کھانے پینے کا سامان یہاں نہ پہنچتا بھی بھی بعض نرم دل لوگ کوئی چیز چھپ چھپا کر بھیج دیتے تھے جس پر ان کی گزرادقات ہوتی۔ تین سال کے طویل عرصے کے بعد قریش مکہ کے بعض افراد کو ان پر رحم آیا اور انھوں ابو جہل اور دوسرا سے سردار ان قریش کی مخالفت کرتے ہوئے یہ بات طے کر لی کہ جیسے بھی ہوان لوگوں کو یہاں سے نکالنا ہے چنانچہ ہشام مخدومی، زمعہ بن الاسود، مطعم بن عدی اور زبیر نے یہ عہد نامہ چاک کر دیا اور نبی ہاشم کو اس اذیت سے نجات دلائی۔ یہ واقعات نبوت کے دسویں سال میں پیش آئے۔

### عام الحزن یعنی غم کا سال:

اس جابرانہ قید سے نکلنے کے چند ہی دن کے بعد نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری محافظ، پشت پناہ اور شفیق و مہربان چچا ابو طالب کا انتقال ہوا اور ان کی وفات کے بعد چند دنوں بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیقة حیات سیدہ خدجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بھی سفر آخرت پر روانہ ہو گئیں۔ انتہائی قلیل عرصے میں دو غم خواروں کا رخصت ہوتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت یہ گروہ گزارا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال کو عام الحزن یعنی غم کا سال قرار دیا۔

### تلخ اسلام کے لیے طائف کا سفر:

قریش مکہ کے سنگدلانہ روایہ سے مایوس ہو کر تلخ کے لیے طائف [جو مکہ سے تقریباً ستر میل جانب مشرق میں واقع ہے] کا سفر اختیار کیا۔ لیکن یہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پھولوں کے بدلتے پتھر ملے اور سر کشی اور بد مزاجی کا مقابلہ برہا۔ مکہ سے بڑھ کر یہاں جیسا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخانہ سلوک کیا، اوپا ش، لو فرا اور لفکھوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

بچھے بھائی جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر وہی سے مار کر الہو ہاں کر دیا لیکن اس کے باوجود بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قوم کے لیے بہرائی خیس فرمائی۔ پہلے وہ پر مأمور فرشتے نے آگر کہا کہ : اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں تو میں اس قوم کو ان دونوں پہلے وہی کے درمیان میں ڈالوں ۔“ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں رحمت بنا کر بھیجا ہیا ہوں ۔ مجھے اپنے رب سے امید ہے کہ ان کی اولاد میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو دنیا بھر میں تو چھکا ہم ہر اُسیں گے۔

### بیعت عقبہ اولیٰ:

مکہ اور طائف کے باسیوں کا ظلم و جبراپنی تمام حدود پار کر رہا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دن بدن ان کی قبول اسلام سے مایوس ہو رہے تھے ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا مکہ سے ایک نئے دور کے آغاز کے اسباب پیدا فرمائے۔ مدینہ [جس کا نام ابھی تک یہ رہ تھا] کے لوگ ہر سال مکہ مکرمہ میں حجج کرنے کے لیے آتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو دعوت اسلام دینے کا ارادہ کیا۔ نبوت کے گیارہویں سال قبلہ خزرج کے چھ افراد نے کے لیے آئے ہوئے تھے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر قبائل عرب کے ساتھ ساتھ ان کو بھی قرآن حکیم کی آیات سنائے اسلام کی دعوت دی۔ چونکہ یہ لوگ عرصہ دراز سے پہلے وہی کے قریب رہ رہے تھے اس لیے انھیں آسمانی کتابوں سے اچھی خاصی واقفیت حاصل ہو چکی تھی اور تورات و انجیل میں آخری نبی کی جو علامات مذکور تھیں انہوں نے وہ علامات آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں محسوس کر کے اسلام قبول کر لیا۔

اگلے سال ۱۲ آدمیوں نے حج کے موقع پر اسلام قبول کرتے ہوئے عقبہ نبی ایک پہلی بھائی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی جسے بیعت عقبہ اولیٰ کہتے ہیں۔

### بیعت عقبہ ثانیہ:

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں درخواست پر حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمر کو ان کے ساتھ کر دیا تاکہ وہ انھیں اسلامی تعلیمات اور احکامات الہی سمجھائیں۔ حضرت

صعب رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے ایک بڑے ریس سعد بن زرارہ کے ہاں قیام کیا اور اسلام کی دعوت کا کام شروع کر دیا، ان کی محنت اور جدوجہد سے اہل مدینہ کی اچھی خاصی تعداد اسلام میں داخل ہونے لگی۔ اسلام قبول کرنے والوں میں قبیلہ اوس کے سردار سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ بھی شامل تھے، ان کا اسلام لانا پورے قبیلے کے اسلام لانے کا سبب بنا۔ حضرت صعب رضی اللہ عنہ بن عیر کی کوششیں بار آور ثابت ہوئیں چنانچہ تیرے سال حج کے لیے آنے والے مسلمانوں کی تعداد ۳۷ ہو گئی جنہوں نے عقبہ کے مقام پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور مدینہ آنے کی دعوت دی۔ اس بیعت کو بیعت عقبہ ثانیہ کہا جاتا ہے۔

### سوالات

سوال نمبر ۱:- اسلام سے قبل عربوں کی مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی حالت پر روشنی ڈالیں۔

سوال نمبر ۲:- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عرب میں کیوں ہوئی، بحث کریں۔

سوال نمبر ۳:- نبوت سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر روشنی ڈالیں۔

سوال نمبر ۴:- نبوت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ پر روشنی ڈالیں۔

سوال نمبر ۵:- مکی دور میں دعوت کے میدان میں پیش آنے والے مصائب و مشکلات کا جائزہ لیں۔